فراقؔ گورکھپوری کی غزلیہ شاعری میں تصوّرِ حُسن و عشق

(۲۸/اگست ۱۸۹۶ء تا ۳/مارچ ۱۹۸۲ء)

کلیدی الفاظ: # فراق گورکھپوری # غزلیہ شاعری # حسن و عشق

راج کمل گپتا برگ گل ملیح آبادی

اسسٹینٹ پروفیسر، شعبہ اردو کسان پی جی کالج

بیراج یوپی

تلخیص:

ہندوستان کی پاون دھرتی پر پیدا ہونے والا ایک ایسا عظیم المرتبت و جلیل القدر او عزیز الوجود و عدیم المثال ہندوستانی شاعر جو ہندوستانی تہذیب و تمدن کا علمبردار بھی ہے اور ویدک تہذیب و ثقافت کا نقیب بھی، ہندو دیو مالا سے متاثر بھی ہے اور اس کے افکار و خیالات کا دل سے قائل بھی، سنسکرت کلچر کا امین بھی ہے اور فارسی، ہندی، سنسکرت اور انگریزی زبان و ادب کے علوم و فنون کا شیدائی بھی، حسن و عشق کا پجاری بھی ہے اور اردو کی عشقیہ شاعری کا شہسوار بھی، انسان دوست بھی ہے اور انسانیت کا پرستار بھی، خوش فکر بھی ہے اور خوش اخلاق بھی، خوش خصال بھی ہے اور خوش جمال بھی، خوش اطوار بھی ہے اور خوش گفتار بھی، ماہر شعر و سخن بھی ہے اور ماہر لسانیات بھی، ادیب و نقاد بھی ہے اور خطیب و استاذ بھی، انگریزی شاعر بھی ہے اور مجاہد آزادی بھی، شائستہ و شگفتہ مزاج بھی ہے اور شیریں زبان و بیان بھی، مہذب بھی ہے اور تہذیب یافتہ بھی، کہنہ مشق بھی ہے اور پختہ سخن بھی، منکسر المزاج بھی ہے اور بذلہ سنج بھی، بندہ پرور بھی ہے اور بندہ نواز بھی، مفکر حیات بھی ہے اور مفکر کائنات بھی، عبرتؔ کی شعری وراثت کا وارث و محافظ بھی ہے اور شاعری کی دنیا میں اپنے باپ کا نام روشن کرنے والا سچا نیک ہندوستانی سپوت بھی، عالی مرتبت بھی ہے اور عالی خاندان بھی، عالی حسب و نسب بھی ہے اور عالی مقام بھی، ذی شعور بھی ہے اور ذی شان بھی، ذی حیثیت بھی ہے اور ذی وقار بھی، عاشق پیکر حسن و جمال بھی ہے اور مداح پیکر

خدوخال بھی، محبوب کی اداؤں کا دلدادہ بھی ہے، محبوب کے ظلم وستم کا دیوانہ بھی، بزم شراب و شباب کا پروانہ بھی ہے اور محبوب کی مست نگاہوں کی مستی میں ڈوبا ہوا مستانہ بھی، میری مراد اُس شاعر سے ہے جو اردو شاعری کی دنیا میں فراقؔ گورکھپوری کے نام سے جانا جاتا ہے- وہ فراقؔ جو آسمان شاعری پر شمس وقمر کی طرح رونق افروز ہے، جس کی شخصیت تعارف کی محتاج نہیں- یوں تو فراقؔ نے تمام اصناف سخن پر طبع آزمائی کی، غزلوں کے علاوہ انھوں نے نظمیں اور رباعیات بھی لکھیں، لیکن ان کی آفاقی شہرت ومقبولیت کا اصل دارومدار صرف غزل پر ہی منحصر ہے- غزل کے مندر میں فراقؔ نے حسن وعشق کی ایسی جوت جلائی کہ آج تک کوئی بھی آندھی اسے بجھا نہیں سکی اور نہ ہی کوئی طوفان اس کی روشنی کو کم کر سکا- آج بھی اس کی جوت جگمگا رہی ہے، اپنی دلکش بہاریں دکھا رہی ہے- اس کی جگ مگ جگ مگ روشنی تو مدھم ہونے نام ہی نہیں لے رہی ہے، بلکہ وہ اپنی نورانیت سے غزل کے مندر کو منور کر رہی ہے۔

فراقؔ کا اصل نام رگھوپتی سہائے تھا- فراقؔ ان کا تخلص تھا- فراقؔ کی ولادت ۲۸/ اگست ۱۸۹۶ء کو بنوار یا تحصیل بانس گاؤں ضلع گورکھپور میں ایک معزز کائستھ خاندان میں ہوئی تھی- آپ کے والد صاحب قبلہ کا اسم شریف منشی گورکھ پرساد تھا- وہ ایک کہنہ مشق اردو اور فارسی کے بہترین شاعر تھے- مولانا الطاف حسین حالیؔ اور مولانا محمد حسین آزادؔ کے ہمعصر تھے۔ عبرتؔ تخلص تھا، پیشے سے وکیل تھے، وہ بھی بہت ہی مشہور ومعروف وکیل، جن کی وکالت کی شہرت سارے شہر میں دھوم مچا رہی تھی۔ شاعری اور ان کی وکالت کا چرچہ زبان زد خاص وعام تھا۔ ان کی مثنوی "حسن فطرت" ادبی حلقوں میں کافی پسند کی گئی۔ اسی مثنوی کی بدولت عبرتؔ کی شاعرانہ عظمت آج بھی قائم ودائم ہے اور اپنے شعری وفنی حسن کے ساتھ برقرار بھی، جو عشقیہ شاعری کی بہترین مثال ہے اور عمدہ شعری تخلیق بھی۔ عبرت کی مشہور زمانہ غزل آج بھی ان کی شاعرانہ عظمت پر گواہی دے رہی ہے اور زمانے کے لوگوں سے مخاطب ہو کر چیخ چیخ کر یہ کہہ رہی ہے کہ ؎

زمانے کے ہاتھوں سے چارہ نہیں ہے — زمانہ ہمارا تمھارا نہیں ہے
میرے اشک پیہم کی تہہ داریوں میں — سمندر تو ہے تیز دھارا نہیں ہے
وہ چاہے تو خوش کر دے دم بھر میں ہم کو — پر ایسا مقدر ہمارا نہیں ہے
شب آہنگ جس کو سمجھ لوں میں عبرتؔ — اب آنکھوں میں ایسا ستارا نہیں ہے

گھر کا ماحول علمی وادبی اور شعری تھا۔ اردو اور فارسی کی تعلیم فراقؔ نے اپنے والد

ماجد کی صحبت میں رہ کر حاصل کی۔ ویدک فلسفہ اور دھارمک تعلیم پنڈت تلسی داس جی سے حاصل کی- اسی علمی وادبی اور شعری ماحول میں ان کی تعلیم وتربیت اور پرورش ہوئی -فراقؔ کے والد صاحب قبلہ نے تین شادیاں کیں۔فراقؔ اپنے باپ کی تیسری بیوی دلاری دیوی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے- فراقؔ کے پانچ بھائی اور تین بہنیں بھی تھیں- جن سے وہ ہمیشہ محبت وشفقت اور خلوص ودیانت داری سے پیش آتے رہے۔ ماں دلاری دیوی کی پوجا پاٹھ سے فراقؔ بہت متاثر ہوئے- گھر میں ہونے والی پوجا پاٹھ اور دھارمک تقاریب میں شامل ہوکر وید، پران اور اپنشد کے فلسفہ کی اہمیت وافادیت کو جانا اور سمجھا- اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے بھگود گیتا، رامائن اور مہابھارت جیسی عظیم دھارمک گاتھاؤں کو بھی کانوں سے سنا۔اس کی عظمت وجلالت، فصاحت و بلاغت اور ریاضت وصداقت کے قائل بھی ہوئے، اس پر عمل بھی کیا۔ اس کے فلسفۂ حیات کو اردو شاعری میں ویدک تہذیب کا سہارا لے کر داخل بھی کیا اور اس کی آبیاری بھی کی۔ اردو شاعری کو انھوں نے ایک نیا رنگ وآہنگ اور منفرد لب ولہجہ بخشا، جس کی بدولت اردو شاعری ویدک تہذیب وتمدن سے مالا مال ہوگئی۔عہد طفلی میں ان کا داخلہ ماڈل اسکول میں کرایا گیا، جو اُن کے گھر کے بہت قریب تھا۔اس کے بعد انھوں نے مشن اسکول سے تعلیم حاصل کی۔ مشن اسکول سے نکل کر انھوں نے گورنمنٹ جبلی کالج میں داخلہ لے لیا۔ ۱۹۱۳ء میں میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد وہ الہ آباد چلے گئے، وہاں انھوں نے میور سنٹرل کالج میں داخلہ لیا۔فراقؔ اسی کالج سے فارغ التحصیل ہوئے اور گریجویٹ کہلائے۔ ذہنی بیداری اور علمی شعور ان کو اسی علمی درس گاہ سے نصیب ہوا- طالب علمی کے دوران ہی فراقؔ کی ملاقات اسی کالج کی مشہور ومعروف شخصیت پروفیسر ناصری سے ہوگئی، جو ایک اچھے استاذ بھی تھے اور شاعری کے نباض بھی۔ پروفیسر ناصری کا شمار میر انیسؔ کے نواسے خورشید لکھنوی کے ہر دل عزیز شاگردوں میں ہوتا تھا۔انھوں نے شاعری کا فن خورشید لکھنوی سے سیکھا اور فراقؔ نے پروفیسر ناصریؔ سے۔ یہ حسن اتفاق ہی تھا کہ جب فراقؔ نے ان کی خدمت میں اصلاح کی غرض سے اپنی پہلی غزل پیش کی تو انھوں نے ان کی غزل کی صرف اصلاح ہی نہیں کی بلکہ ان کو اردو شاعری اور اس کے فنی اصول وضوابط پر پُر مغز لیکچر بھی دیے، جو فراقؔ کے لیے بہت ہی مفید اور کارآمد ثابت ہوئے، پروفیسر ناصریؔ صاحب کی صحبت میں رہ کر ہی فراقؔ کے اندر شعری شعور اور شوق و

ذوق پیدا ہوا-ان کی رہنمائی نے فراقؔ کو اردو شاعری کا سپہ سالارِ اعظم بنا دیا-فراقؔ نے ریاضؔ خیرآبادی، وسیمؔ خیرآبادی اور عزیزؔ لکھنوی کی صحبت میں رہ کر ہی شعر وسخن کی باریکیوں کو جانا بھی، سمجھا بھی، جانچا بھی اور پرکھا بھی۔ ۱۹۱۴ء میں ایف۔اے۔کی طالب علمی کے دوران ہی فراقؔ کی شادی کشوری دیوی سے کر دی گئی، ان کی پسند کی شادی نہ ہونے کے سبب وہ اپنی شادی سے نہ ہی خوش تھے اور نہ ہی مطمئین، بلکہ وہ اپنی ازدواجی زندگی سے کافی مایوس ورنجیدہ ہو گئے تھے،ملول ورنجور رہنے لگے تھے،افسردگی و پژمردگی ان کا لباس ہو گئی تھی،جس کو انھوں نے زندگی بھر اپنے سینے سے لگائے رکھا،وہ زندہ دل آدمی تھے،ہمت نہیں ہاری،زندگی سے لڑتے رہے۔شادی کے بعد فراق ایک سال تک چین سے سو نہیں پائے،جس کی وجہ سے وہ تھوڑا چڑچڑے بھی ہو گئے تھے-ایسے حالات اور پُرآشوب ماحول میں ذہنی کشمکش کے باوجود فراقؔ نے بی۔اے۔کی ڈگری امتیازی نمبروں کے ساتھ حاصل کی۔فراقؔ نے ۱۹۱۸ء میں سِول سروس (پی-سی-ایس-) کا امتحان بھی پاس کرلیا تھا۔ان کو حکومت ہند نے ۱۹۱۹ء میں ڈپٹی کلکٹر کے عہدے کے لیے منتخب بھی کرلیا تھا لیکن وطن سے لگاؤ اور محبت کی وجہ سے انھوں نے ملازمت کرنے سے انکار کر دیا تھا-فراق ڈپٹی کلکٹر بننے کے بجائے وطن کو آزاد کرانے کی غرض سے گاندھی جی کی عدم تعاون تحریک سے وابستہ ہو گئے،جس کی وجہ سے انھیں آگرہ کی جیل میں بھی جانا پڑا تھا،وہاں کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑی تھیں،قید خانے کی چہار دیواری میں دن گزارنے پڑے تھے،جہاں ان کی ملاقات آشفتہؔ،عارفؔ ہنسوی،مولانا محمد علی جوہرؔ،مولانا حسرتؔ موہانی اور مولانا ابوالکلام آزادؔ جیسی عظیم شخصیات سے ہوئی-اسی جیل میں ان شعراء کی سرپرستی میں مشاعرے کا انعقاد بھی کیا گیا۔تمام شعراء نے اپنا اپنا کلام بھی پیش کیا۔طرحی مشاعرے میں فراقؔ نے جو غزل پڑھی اس کا مقطع ملاحظہ فرمائیں ؎

اہلِ زنداں کی یہ محفل ہے ثبوت اس کا فراقؔ کہ بکھر کر بھی شیرازہ پریشاں نہ ہوا

۱۹۲۷ء میں جیل سے رہا ہونے کے بعد فراقؔ نے کرشچین کالج لکھنؤ میں ملازمت کر لی- کچھ عرصہ بعد سناتن دھرم کالج کانپور میں اردو کے استاذ مقرر ہو گئے۔اسی دوران ۱۹۳۰ء میں فراق نے آگرہ یونیورسٹی سے انگریزی میں ایم-اے-بھی پاس کرلیا اور ۱۹۳۱ء میں الہ آباد یونیورسٹی میں انگریزی کے استاذ مقرر ہو گئے-فراقؔ ۲۶ برس تک

درس و تدریس کا کام انجام دینے کے بعد ۱۹۵۸ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے، سبکدوشی کے بعد انھوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ الہ آباد میں ہی گزارا، زندگی کی دیگر تمام مصروفیات کے باوجود انھوں نے اردو ادب کی ہمیشہ خدمت کی، وہ بھی بے لوث ہو کر، ایک سچے اور نیک انسان کی طرح، جس طرح ایک باپ اپنی اولاد کی ہمہ وقت خدمت کرتا ہے، اس کی فلاح و بہبود اور اس کے روشن مستقبل کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتا ہے۔ یہ سچا اور نیک انسان اردو ادب کی بے لوث خدمت کرتے ہوئے ۳؍ مارچ ۱۹۸۲ء کو دہلی میں حرکت قلب رکنے کی وجہ سے اس دارِ فانی سے کوچ کر جاتا ہے اور اپنے مالکِ حقیقی سے ملاقات کرنے کے لیے ملک عدم پہنچ جاتا ہے اور چھوڑ جاتا ہے تو بس اپنی یادیں یہ کہہ کر کہ

ے

میری گھٹی میں پڑی تھی ہو کے حل اردو زباں — جو بھی میں کہتا گیا حسن بیاں بنتا گیا
نگاہ اہل دل سے انقلاب آتے ہیں دنیا میں — یقیں رکھ عشق اتنا بے سر و ساماں نہیں ہوتا
اس دشت کو نغموں سے گلزار بنا جائیں — جس راہ سے گزریں ہم کچھ پھول کھلا جائیں
محبت ہی نہیں جس میں وہ کیا درس عمل دے گا — محبت ترک کر دینا بھی عاشق ہی کو آتا ہے
امید و یاس، وفا و جفا، فراق و وصال — مسائل عشق کے ان کے سوا کچھ اور بھی ہیں
حاصل حسن و عشق بس ہے یہی — آدمی آدمی کو پہچانے
پوچھتا ہے مجھ سے تو اے شخص کیا ہوں؟ کون ہوں؟ — میں وہی رسوائے عالم شاعروں میں انتخاب
شام ہی سے گوش بر آواز ہے بزم سخن — کچھ فراق اپنی سناؤ کچھ زمانے کی کہو
وقت پیری دوستوں کی بے رخی کا کیا گلہ — بچ کے چلتے ہیں سبھی گرتی ہوئی دیوار سے
ماضی کے سمندر میں اکثر یادوں کے جزیرے ملتے ہیں — پھر آؤ وہیں لنگر ڈالیں پھر آؤ انھیں آباد کریں

کلیدی الفاظ: فراقؔ، حسن و عشق، شباب، ہندوستانی تہذیب و ثقافت، تمدّن، وطن پرستی، اردو شعر و ادب، ہندو فلسفہ، ہندو دیومالا، ہندوستانی فلسفہ، محبوب، عورت، عشقیہ شاعری، ہندو کلچر، سنسکرت کلچر، رومان، دوست، محبت، وفا و جفا، دوشیزگی، ہجر و وصل، صُبح، آدمی، رات، جمالیاتی حُسن، اشک، دل، آنکھیں، یاد، موت، زندگی، آنسو، جور و ستم، تنہائی، درد، عاشق، جمال، انتظار، آئینہ، بے وفائی، جوانی، حیات، انسانیت، جنسیت، امرد پرستی، رنج و راحت،

ہندوستانیت

اردو کے شعری سرمایہ میں ہندوستانی تہذیب وثقافت اور تمدّن کا رنگ بہت گہرا ہے، جس کی ابتداء اردو زبان کی ابتداء سے ہی ہوتی ہے، امیر خسروؔ جس کی روشن مثال ہیں۔ یہ روایت آج بھی اُردو شعر وادب کے مزاج میں رچی بسی ہے۔ اس حوالے سے فراقؔ گورکھپوری کی شاعری کا مطالعہ غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔

بقول رشید احمد صدیقی ؎

''فراقؔ کو اس صدی کے موجودہ پچاس سال کے منفرد اور ممتاز غزل گویوں کی صفِ اوّل میں جگہ مل چکی ہے اور یہ امتیاز معمولی نہیں ہے۔ غزل کی آئندہ ساخت و پرداخت اور سمت و رفتار میں فراقؔ کا بڑا اہم حصّہ ہوگا۔ اُردو غزل میں مستقبل کا چراغ راہ قرار پانا بہت کم شاعروں کے نصیب میں آتا ہے۔ فراقؔ کے ذہن اور ذوق کو سمجھنے کے لئے ہم کو اُن راستوں سے کسی قدر ہٹ کر سوچنا پڑے گا، جو ہم نے اب تک اختیار کر رکھے تھے۔

اوّل یہ کہ فراقؔ سے زیادہ کھڑی بولی برج بھاشا اور اودھی کا بھید بھاؤ اور بناؤ سنگار سمجھنے والے بہت کم اُردو شعراء ہمارے ہاں ملتے ہیں۔

دوسری طرف فراقؔ فارسی عربی کی اُس بسیار شیوگی سے پورے طور پر آشنا نہیں ہیں یا اس کو قابلِ اعتناء نہیں سمجھتے جس کے بغیر ان زبانوں سے خاطر خواہ فائدہ اُٹھانا ناممکن ہونے کی حد تک مشکل ہے۔ اس لئے فراق کا لہجہ جانا پہچانا ہونے کے باوجود کبھی کبھی ہم کو اُکھڑا اُکھڑا سا معلوم ہونے لگتا ہے۔

تیسرے یہ کہ فراقؔ ہندو دیومالا کی صورت و معنی کے رمز آشنا ہیں۔ ہندو فلسفہ، مذہب اور روایت پر عبور رکھتے ہیں اور ہندوستان کے رقص و موسیقی کے بھی رسیا ہیں۔ ایسے رسیا کہ ان کی علمی و ادبی تنقیدوں میں بھی یہ رنگ و آہنگ نمایاں ہے۔

چوتھے یہ کہ ہندو مذہب و اخلاق میں مرد اور عورت کے جنسی روابط کی طرح طرح سے تقدیس کی گئی ہے، مرد اور عورت کے جنسی اتصال کا تصور ہندو مذہب و اخلاق کا ہے۔ جس کے مظاہر بعض مندروں کی نقّاشی یا مجسموں میں ملتے ہیں۔ ہندوستان میں عبادت کی زبان موسیقی ہے۔ یہاں تک کہ بعضوں کے نزدیک خود موسیقی کو عبادت کا درجہ دیا گیا ہے۔

مندروں کے روزانہ کے پروگرام میں موسیقی کا جو مقام ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

پانچویں یہ کہ انگریزی شعر و ادب، تاریخ و تنقید کا مطالعہ تمام عُمر فراقؔ کا اوڑھنا بچھونا رہا ہے۔ وہ ان کی رگ رگ سے آشنا ہیں، انگریزی شعراء اور اربابِ فکر کا مطالعہ ان کے کلام میں نہایت درجہ نُمایاں ہے۔ فراقؔ کے کلام میں شعوری یا غیر شعوری طور پر ان تمام عوامل کی کارفرمائی ملتی ہے۔ کہیں کسر و انکسار کے ساتھ کہیں کھینچ تان کے ساتھ۔'' ا؎

(جدید غزل، از رشید احمد صدیقی، طابع مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ اشاعتِ دوم ۱۹۶۷ء، صفحہ نمبر ۸۷ تا صفحہ نمبر ۸۹)

رشید احمد صدیقی کی اس نادر و نایاب اور پُر مغز تحریر سے یہ بات تو اچھی طرح سے واضح ہو جاتی ہے، کہ فراقؔ گورکھپوری کی شخصیت بہت ہی اعلیٰ و ارفع اور قدر و منزلت کی حامل ہے، وہ علوم و فنون کا خزانہ ہے، حسن و عشق کا شیدائی ہے، محبت کا پرستار ہے، ہندوستانی تہذیب و تمدّن اور ثقافت کا پُجاری ہے، ویدک تہذیب کا پرچم اپنے ہاتھوں میں سنبھالے ہوئے ہے۔ ہندو تہذیب کی مالا گلے میں ڈالے ہوئے ہے، دل درد میں ڈوبا ہوا ہے، دماغ فکر میں لگا ہوا ہے، انگریزی شعر و ادب کو اپنے دل میں بسائے ہوئے ہے اور اردو شاعری کے میدان میں ہنستا، کھیلتا اور دوڑتا پھرتا نظر آتا ہے، بہت ہی جوش و خروش اور ہمت و حوصلہ کے ساتھ۔

گورکھپور کے ایک کائستھ گھرانے کے رگھو پتی سہائے فراقؔ گورکھپوری خاصے ذی علم و ذی شعور شاعر تھے۔ وہ محض شاعر ہی نہیں تھے بلکہ ایک سچّے وطن پرست ہندوستانی بھی تھے۔ ترجیحی طور پر انھوں نے سِول سروسیز کی اعلیٰ ملازمتوں کو چھوڑ کر تحریک جنگِ آزادی میں حصّہ لیا، جیل بھی گئے اور عملی طور پر برطانوی استعماریت کے خلاف سرگرمِ عمل بھی رہے۔

اس طرح آزادیٔ وطن کی مٹّی کی خوشبو ان کے فکری اور ذہنی افتاد کا حصّہ بن گئی۔ ان پر ہندوستانی فلسفہ اس کے قدیم ترین ادب، فنونِ لطیفہ، عہدِ مغلیہ کی بہترین شاعری، ہندوستانی سنگیت اور ہندوستانی طرزِ معاشرت کا گہرا اثر تھا نیز فارسی اور اردو شاعری انگریزی کی شاہکار نظم و نثر کے ادب فلسفہ اشتراکیت کی قدیم و جدید فکریات اور عالمی تاریخ کے وسیع مطالعہ نے فراقؔ کے دل و دماغ کو بہت متاثر کیا۔

بقول سنبل نگار ؎

''فراق کی نکتہ رس طبیعت، ان کے ذہن کی براقی، ان کا وسیع تجربہ، مطالعہ اور مشاہدہ وہ خصوصیات ہیں جنھوں نے فراقؔ کی غزلوں کو زریں اور بیش قیمت شعری تجربات سے مالا مال کر دیا ہے۔ اپنے عہد کی پیچیدہ زندگی کے مسائل کو فراقؔ نے اپنی گرفت میں لیا ہے، اپنے احساس کا جُز و بنایا ہے اور اشعار کے قالب میں ڈھال دیا ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ فراقؔ کی غزل اپنے ساتھ اپنی زبان بھی لائی ہے۔ ان کی غزل کا لب ولہجہ سکون، نرمی اور ٹھنڈک سے صاف پہچان لیا جاتا ہے۔ وہ اپنے اچھوتے تجربات کے لئے لہلہاہٹیں، رسمساہٹیں، ملگجاہٹیں جیسے الفاظ وضع کرتے ہیں۔ ضرورت کے مطابق کبھی کبھی وہ میرؔ کی زبان (گزاریاں، واریاں، جاگو ہو، بھاگو ہو) بھی استعمال کرتے ہیں۔ ہندو دیومالا سے انھوں نے اپنی غزل کو ایک خاص، دلکشی بخشی ہے۔ اسی سلسلے میں وہ ہندی کے نرم وشیریں الفاظ بھی بڑے سلیقے سے استعمال کرتے ہیں۔

غزلِ فراقؔ کا محبوب عورت ہے اور اس کے جسم کے پیچ وخم کو وہ بہت لُطف لے لے کر بیان کرتے ہیں۔ ان کا تصورِ عشق بھی روشِ عام سے ذرا ہٹا ہوا ہے۔ غزلِ فراقؔ کا عاشق بہت تیکھے مزاج کا واقع ہوا ہے۔ محبوب کو اس کا احساس ہے۔ اس لیے وہ اپنے قدر دان کی ناز برداری کرنے سے نہیں چوکتا۔ فراقؔ کو اپنی عشقیہ شاعری پر ہی نہیں بلکہ پوری شاعری پر فخر ہے اور یہ کچھ بے جا بھی نہیں۔ بڑا شاعر اپنی بلند رُتبگی سے بے خبر نہیں ہوتا۔ فراقؔ فرماتے ہیں ؎

کہتے ہیں میری موت پر اس کو بھی چھین ہی لیا — عشق کو مدّتوں کے بعد ایک مِلا تھا ترجماں
ختم ہے مجھ پہ غزل گوئی عہدِ حاضر — دینے والے نے وہ اندازِ سُخن مجھ کو دیا
ہر عُقدۂ تقدیر جہاں کھول رہی ہے — ہاں دھیان سے سُننا یہ صدی بول رہی ہے

بے شک فراقؔ کی آواز انیسویں صدی کی ایک نا قابلِ فراموش آواز ہے۔'' ۲ ؎

(اردو شاعری کا تنقیدی مطالعہ از سنبل نگار صفحہ نمبر ۹۳ ؎ تا صفحہ نمبر ۹۴ ؎ سنِ اشاعت ۔ ۲۰۰۱ء، ایجوکیشنل بک ہاؤس، یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ)

اسی ذہنی اور فکری وُسعتِ نگاہی کے ساتھ فراقؔ گورکھپوری نے شاعری کی اور اس کی

عمارت انسان دوستی کے گہرے احساس پر استوار کی۔فراقؔ کی اردو شاعری کا مدار ہندوستانیت ہے۔ٹھیٹھ ہندوستانیت۔اردو کے شعری قواعد وضوابط اور اُن کی روایتوں سے اپنی شاعری کو ہم آہنگ کرانا فراقؔ کا پُرانا اور خاص مشن تھا۔ان کی شاعری میں ہندوستانی ایتھوز (Ethos) کی باز یافت واضح طور پر نشانِ زد کیے جاسکتے ہیں۔جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فراقؔ گورکھپوری ''اُردو کی عشقیہ شاعری'' میں خود فرماتے ہیں ؎

''اُردو پر اسلامی کلچر کے انحطاطی دور کے اثر سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور اس کلچر کو اور مغرب کے غیر اسلامی کلچر کو بھی اتنا اور ایسا زمانہ نہیں ملا جتنا اور جیسا زمانہ ہندوستان کے کلچر کو مل چکا ہے اور بغیر اس کلچر کے وجود اور احساسِ وجود، حُسن وعشق اور احساسِ حُسن وعشق میں اس ہم آہنگی امن شانتی کا احساس نہیں پیدا ہوسکتا۔سادگی و پُرکاری خیر و برکت اور سلامتی کا وہ مانوس انداز اور وہ رس جسے ہم آبِ حیات یا امرت کہیں پیدا نہیں ہوسکتا جو سنسکرت ادب اور سنسکرت کلچر کو نصیب ہے۔سنسکرت ادب حیات نُما اور حیات آور دونوں ہے۔اسی سے جو غزلیت رام اور کرشن، سیتا اور رادھا اور شکنتلا کے تصوّر میں موجود ہے وہ غزلیت نہ قیس میں ہے نہ فرہاد میں نہ لیلیٰ میں نہ شیریں میں۔اور کون کہہ سکتا ہے کہ رام، کرشن، سیتا، رادھا، شکنتلا، ساوتری اور پاروتی کی زندگی میں جانگداز اور استخواں سوز آزمائشیں نہیں تھیں۔لیکن سنسکرت وجدان نے غم کے اِن عناصر کو کیا بنا دیا۔دورِ حاضر کی غزل گوئی سے کبھی کبھی وہ کِرن پھوٹتی ہوئی نظر آتی ہے جو خون میں بھی ڈوبی ہوئی ہے اور امرت میں بھی اور یہ ایک نیک شگون ہے۔اس لیے سکون اور شانتی کی کمی کا اعتراض اردو کی عشقیہ شاعری پر بجا اعتراض ہے۔لیکن دنیا کے ادب میں امرت کی صرف چند بوندیں ملتی ہیں۔سنسکرت ادب میں زہر اور امرت دونوں کی کچھ زیادہ بوند ہی ملتی ہیں۔ورنہ زندگی اور ادب دونوں میں۔''[۳] ؎

(اردو کی عشقیہ شاعری از فراقؔ گورکھپوری صفحہ نمبر ۱۱۸ تا صفحہ نمبر ۱۱۹ مکتبہ عزم و عمل، کراچی، سن اشاعت- بارِ اوّل ۱۹۶۶ء مطبع- جاوید پریس کراچی)

فراقؔ نے غزلیں بھی کہیں، نظمیں بھی کہیں اور رباعیات بھی کہیں ان اصنافِ سُخن میں انھوں نے اپنے جوہر بھی دکھائے۔ان ہی شعری اصناف میں اُن کے فنّی امتیازات بھی قائم ہوئے ہیں۔ لیکن جو شہرت ومقبولیت ان کی غزلوں کو ملی وہ کسی اور صنف سخن کو نہ مل

سکی۔ وہ ایک غزل گو کی حیثیت سے زیادہ جانے مانے اور پہچانے گئے جس میں وہ بیحد کامیاب بھی ہوئے۔ اپنے منفرد لب ولہجہ اور عشقیہ اندازِ سخن کی بدولت۔ ان کی نظمیں اور رباعیات بھی کسی سے کم نہیں، شعری وفکری حُسن سے مالا مال ہیں، خوبیوں کا خزانہ ہیں اور ہندوستانی تہذیب وثقافت کی مظہر بھی۔ رومان اور حُسن وعشق فراقؔ کی غزلوں کا غالب رنگ ہیں، جس کی جھلک آپ کو فراقؔ کے کلام میں جا بجا دکھائی دے گی۔ فراقؔ کے ان چند اشعار سے آپ اُن کے رنگِ سخن کو اچھی طرح سمجھ جائیں گے۔

کوئی سمجھے تو ایک بات کہوں — عشق توفیق ہے گُناہ نہیں
کسی کا یوں تو ہوا کون عمر بھر پھر بھی — یہ حُسن وعشق تو دھوکا ہے سب مگر پھر بھی
سُنتے ہیں عشق نام کے گزرے ہیں اِک بزرگ — ہم لوگ بھی فقیر اُسی سلسلے کے ہیں
تُجھ کو پاکر بھی نہ کم ہوسکی بے تابیٔ دل — اتنا آسان ترے عشق کا غم تھا ہی نہیں
بہت حسین ہے دوشیزگی حُسن مگر — اب آگئے ہو تو آؤ تمھیں خراب کریں
عشق پھر عشق ہے جس رُپ میں ہو جس بھیس میں ہو — عشرتِ وصل بنے یا غمِ ہجراں ہو جائے
رفتہ رفتہ عشق مانوسِ جہاں ہونے لگا — خود کو تیرے ہجر میں تنہا سمجھ بیٹھے تھے ہم
عشق ابھی سے تنہا تنہا — ہجر کی بھی آئی نہیں نوبت
خوش بھی ہو لیتے ہیں تیرے بے قرار — غم ہی غم ہو عشق میں ایسا نہیں
جن کی تعمیر عشق کرتا ہے — کون رہتا ہے اُن مکانوں میں
عشق اب بھی ہے وہ محرم بیگانہ نُما — حُسن یوں لاکھ چھپے لاکھ نُمایاں ہو جائے
یہ ذلتِ عشق تیرے ہاتھوں سے — اے دوست تجھے کہاں چھپا لیں
آنکھ چُرا رہا ہوں میں اپنے ہی شوقِ دید سے — جلوۂ حُسن بے پناہ تو نے یہ کیا دکھا دیا
چُپکے چُپکے اُٹھ رہا ہے مد بھرے سینوں میں درد — دھیمے دھیمے چل رہی ہیں عشق کی پُروائیاں
معلوم ہے محبت لیکن اُسی کے ہاتھوں — اے جانِ عشق میں نے تیرا بُرا بھی چاہا
اے مذاہب کے خدا تیری مشیت جو بھی ہو — عشق کو دیگر خُدا دیگر مشیت چاہیے
ترک محبت کرنے والو کون ایسا جگ جیت لیا — عشق سے پہلے کے دن سوچو کون بڑا سُکھ ہوتا تھا
یہ سانچے دلِ غمگیں ہوا ہی کرتے ہیں — نہ عشق ہی کی خطا ہے نہ حُسن ہی کا قصور
لُطف وستم، وفا جفا، یاس وامید، قرب بعد — عشق کی عُمر کٹ گئی چند توہمات میں
آج تک صبحِ ازل سے وہی سنّاٹا ہے — عشق کا گھر کبھی شرمندۂ مہماں نہ ہوا

وہ فسوں پھونکا کہ وحشی بھی مُہذّب ہو گئے کر گیا کیا سحر ما نا عشق بازی گر نہ تھا
حاصلِ حُسن و عشق بس ہے یہی آدمی آدمی کو پہچانے

فراقؔ گورکھپوری کے ان اشعار سے یہ بات تو اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اُن کا تصوّرِ عشق ارتقاء کے جن مدارج سے گزرتا ہے وہ تغیر آمیز ہے۔ ان کے یہاں عشق اپنے معروف معنوں سے جداگانہ مفہوم کا حامل ہے۔ جس سے نہ صرف نسلِ انسانی قائم ہے بلکہ اس سے تہذیبی سوتے بھی پھوٹتے ہیں۔

''میری زندگی کی دھوپ چھاؤں'' میں فراقؔ گورکھپوری اپنی شاعری کے اغراض و مقاصد کو یوں بیان کرتے ہیں کہ ؎

''یہی تہائی صدی بھی طویل زمانہ میری شاعری کی نشوونُما کا زمانہ ہے اس طویل زمانے کے دوران میں اپنے کو اور اپنی شاعری کے مقصدوں اور آدرشوں کو دریافت کرتا رہا ہوں۔ میرے لئے یہ روحانی سفر و سیاحت کولمبس کی دریافتِ امریکہ کے سفر و سیاحت سے کم آزمائیشوں کا حامل نہیں تھا۔ میں اپنی شاعری کو ہندوستان کی تہذیب کی روح کا ترجمان بنانا چاہتا تھا۔ ساتھ ہی آفاقی تہذیب کو بھی اپنی شاعری میں سمونا چاہتا تھا۔''[۴] ؎

(میری زندگی کی دھوپ چھاؤں از فراقؔ گورکھپوری صفحہ نمبر ۵۷ شاعرِ ہند فراقؔ گورکھپوری، پیشکش علی صدیقی، مرتبہ فاروق ارگلی، طباعت - پرنٹ آرٹس، نئی دہلی، سنِ اشاعت - فراقؔ صدی تقریبات ۹۷-۱۹۹۶ء شائع کردہ - عالمی اُردو کانفرنس، شعبۂ نشر و اشاعت، نئی دہلی)۔

فراقؔ گورکھپوری نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں اور پرورش پائی وہ ہندوستانی تہذیب و ثقافت اور ہندو مائیتھولوجی کے تصورات سے مزین تھا، سنسکرت اور ہندی زبان و ادب کی روایت اُن کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ پڑھے لکھے اور روشن خیال خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ فارسی اور اردو زبان اُن کی چوکھٹ پر سلامی دے رہی تھی، شعری و ادبی ماحول پہلے سے گھر میں موجود تھا۔ فراقؔ کے والد مُنشی گورکھ پرشاد ایک مشہور وکیل ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے شاعر بھی تھے اور عبرتؔ تخلص اختیار کرتے تھے جن کی شہرت ''مثنوی حُسنِ فطرت'' کے سبب اردو ادب میں آج بھی قائم و دائم ہے۔ ''مثنوی حسنِ فطرت'' نے فراقؔ کے والد صاحب قبلہ منشی گورکھ پرشاد کو زندہ جاوید کر دیا۔

اسی شعری و ادبی ماحول کا اثر تھا جو فراقؔ کی شخصیت میں اور ان کی شاعری میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ فراقؔ کی پرورش اس طرح ہوئی، کہ وہ بھی اپنے باپ کے رنگِ شاعری میں رنگ گئے اور یہ کہنے کی جُرأت کر سکے کہ ؎

میری گھٹی میں پڑی تھی ہو کے حل اُردو زباں جو بھی میں کہتا گیا حُسنِ بیاں بنتا گیا

یہ اُن کا حُسنِ بیان ہی ہے جو اُردو شاعری میں یہ کہنے کی ہمّت جٹا سکا ہندو تہذیب اور ویدک تہذیب و تمدّن کے حوالے سے یہ بات کہ ؎

وہ راتوں رات شری کرشن کو اُٹھائے ہوئے بلا کی قید سے بسدیو کا نکل جانا

فراقؔ گورکھپوری اردو ادب کے پہلے شاعر ہیں جن کو گیان پیٹھ ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا۔ فراقؔ نے اپنی غزلیہ شاعری میں حُسن و عشق کے رموز و نکات کو مختلف زاویوں سے برتنے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے غزل کو عشقیہ شاعری کی نئی جہتوں سے روشناس کرایا اور جرأت مندانہ تہذیب کے ذریعہ عشق کی روشنی کو قائم کیا۔

فراقؔ کی بیشتر غزلیں جمالیاتی حُسن کو بیدار کرتی ہیں۔ فراقؔ کی اُنھیں غزلوں میں سے ایک غزل ۵؎ آپ کی خدمت میں حاضر ہے، جس میں آپ کو جمالیاتی حُسن کا عکس ضرور سے ضرور نظر آئے گا۔ سُنئے فراقؔ کے دل کی آواز ؎

ایک شبِ غم وہ بھی تھی جس میں جی بھر آئے تو اشک بہائیں
ایک شبِ غم یہ بھی ہے جس میں اے دل رو رو کے سو جائیں

جانے والا گھر جائے گا کاش یہ پہلے سوچا ہوتا
ہم تو منتظر اس کے تھے بس کب ملنے کی گھڑیاں آئیں

الگ الگ بہتی رہتی ہے ہر انسان کی جیون دھارا
دیکھ ملیں کب آج کے بچھڑے لے لوں بڑھ کے تیری بلائیں

سنتے ہیں کچھ رو لینے سے جی ہلکا ہو جاتا ہے
شاید تھوڑی دیر برس کر چھٹ جائیں کچھ غم کی گھٹائیں

اپنے دل سے غافل رہنا اہلِ عشق کا کام نہیں
حُسن بھی ہے جس کی پرچھائیں آج وہ من کی جوت جگائیں

سب کو اپنے اپنے دُکھ ہیں سب کو اپنی اپنی پڑی ہے
اے دلِ غم گیں تیری کہانی کون سُنے گا کس کو سنائیں

جسمِ نازنیں میں سرتا پا نرم لویں لہرائی ہوئی سی
تیرے آتے ہی بزمِ ناز میں جیسے کئی شمعیں جل جائیں

ہاں ہاں تجھ کو دیکھ رہا ہوں کیا جلوہ ہے کیا پردہ ہے
دل دے نظارے کی گواہی اور یہ آنکھیں قسمیں کھائیں

لفظوں میں چہرے نظر آئیں گے چشمِ بینا کی ہے شرط
کئی زاویوں سے خلقت کو شعر مرے آئینہ دکھائیں

مُجھ کو گُناہ و ثواب سے مطلب؟ لیکن عشق میں اکثر آئے
وہ لمحے خود میری ہستی جیسے مجھے دیتی ہو دُعائیں

چھوڑ وفا و جفا کی بحثیں اپنے کو پہچان اے عشق
غور سے دیکھ تو سب دھوکا ہے کیسی وفائیں کیسی جفائیں

حُسن اِک بے بیندھا ہوا موتی یا اِک بے سونگھا ہوا پھول
ہوش فرشتوں کے بھی اُڑا دیں تیری یہ دوشیزہ ادائیں

باتیں اُس کی یاد آتی ہیں لیکن ہم پر یہ نہیں کھلتا
کن باتوں پر اشک بہائیں کن باتوں سے جی بہلائیں

ساقی اپنا غم خانہ بھی مے خانہ بن جاتا ہے
مستِ مے غم ہو کر جب ہم آنکھوں کے ساغر چھلکائیں

اہلِ مسافت ایک رات کا یہ بھی ساتھ غنیمت ہے
کوچ کرو تو صدا دے دینا ہم نہ کہیں سوتے رہ جائیں

ہوش میں کیسے رہ سکتا ہوں آخر شاعرِ فطرت ہوں
صُبح کے ست رنگے جھرمٹ سے جب وہ انگلیاں مجھے بلائیں

ایک غزالِ رم خوردہ کا مُنھ پھیرے ایسے میں گزرنا
جب مہکی ہوئی ٹھنڈی ہوائیں دن ڈوبے آنکھیں جھپکائیں

دیں گے ثبوتِ عالی ظرفی ہم میکش سرِ میخانہ
ساقی چشمِ سیہ کی باتیں زہر بھی ہوں تو ہم پی جائیں

موزوں کر کے سستے جذبے منڈی منڈی بیچ رہے ہیں
ہم بھی خریدیں جو یہ سُخنور اک دن ایسی غزل کہہ لائیں

رات چلی ہے جوگن بن کر بال سنوارے لٹ چھٹکائے
جیسے فراقؔ گگن پر تارے دیپ بجھے ہم بھی سو جائیں

(گلِ نغمہ از فراقؔ گورکھپوری صفحہ نمبر ۲۹ تا صفحہ نمبر ۳۱ گل نغمہ کلیاتِ فراقؔ کا صدی ایڈیشن، ترتیب وتصحیح، پروفیسر سید محمد عقیل ڈاکٹر فخر الکریم صدیقی، ناشر ادارۂ انیس اردو، الہ آباد سنِ اشاعت طبع پنجم ۱۹۹۷ء)

فراقؔ کے افکار وخیالات، جذبات واحساسات، اصول ونظریات، تجربات و مشاہدات، ذاتی معاملات وخواہشات اور تصوّراتِ عشق پر روشنی ڈالتے ہوئے صدیق الرحمٰن قدوائی اپنے مضمون ''فراقؔ کی شاعری میں عشق ووصل'' میں رقم طراز ہیں

''اُردو شاعری کی کلاسیکی روایت کے زیرِ اثر تربیت پانے والا کوئی بھی شخص عشق سے بچ کر نہیں نکل سکا۔ فراقؔ بھی ان ہی لوگوں میں ہیں۔ مگر اُن کا عشق اور اسی کے سبب اُن کا لمحۂ وصل بھی اوروں سے مختلف ہے۔ فراقؔ کا زمانہ، ان کی ذات ان کے مطالعے و مشاہدے انھیں اس منزل سے آسان گزرنے نہیں دیتے۔ غزل کی بنائی ہوئی صدیوں سے پلنے والی ذہنی وجذباتی فضا میں سانس لیتے رہنے کی بدولت ''عشق'' تو ان کی رگ وپے میں ضرور سرایت کر گیا۔ مگر وہ اس کے اس مفہوم سے مُطمئن نہیں، جو اُن سے پہلے یا ان کے عہد کی غزل میں عام تھا۔ چنانچہ وہ اس کے ایک ایسے مفہوم کی تلاش میں ہیں جو فکر، جذبہ اور احساس کی ساری کائنات کو اپنے اندر سمیٹ لے۔ وہ اپنے عشق کو بہ یک وقت حسین اور تہہ دار بنانے کی تمنّا میں اسے وسیع مگر اور زیادہ مبہم کرتے چلے جاتے ہیں۔ شاید اُن کے ذہن کے گوشوں میں کہیں یہ بھی خواہش ہو کہ وہ اقبالؔ سے آگے جا کر کسی جہانِ تازہ کا پتہ لگائیں مگر یہ سب ان کے لیے ممکن نہ تھا۔ وہ کسی خاص فلسفیانہ نظام سے ربط ضبط نہیں رکھتے۔ وہ بیسویں صدی کے لبرل ذہن رکھنے والے حسّاس، ہوش مند انسان ہیں، جو اپنی اور اپنے عہد کی زندگی کے عام تقاضوں اور مسئلوں کو خواہ وہ سیاسی وسماجی ہوں یا ذاتی معاملات کے پروردہ ہوں، رومانی تعبیرات کے ذریعے سمجھنا چاہتے ہیں۔ وہ شاعر ہیں وہ غزل کے راستے فلسفہ و مذہب، سیاست اور اخلاقیات وغیرہ تک پہنچتے ہیں۔ فراقؔ کے عشق میں وہ ساری خواہشات سما گئی ہیں، جو ان کے زمانے کے ایک مہذّب انسان کو عزیز ہیں۔ اس تصور کی شاعرانہ تعبیرات وہ طرح طرح سے کرتے ہیں، کہیں کہیں وجد آفریں اور کہیں کہیں سپاٹ

نثریت لیے ہوئے۔'' ۶؎

(فراقؔ کی شاعری میں عشق و وصل از صدّیق الرحمٰن قدوائی صفحہ نمبر ۸۱ تا صفحہ نمبر ۸۲، فراقؔ: دیارِ شب کا مسافر، مرتبین۔ شمیم حنفی، سُہیل احمد فاروقی، طباعت-لبرٹی آرٹ پریس مکتبہ جامعہ لمیٹڈ پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی، سنِ اشاعت -پہلی بار دسمبر ۱۹۹۶ء)

فراقؔ کی عشقیہ غزلوں میں ان کا معشوق تمام انسان کی طرح اس دنیا کا ہی باشندہ ہے۔اس کی امتیازی خصوصیات شوخی، الھڑ پن، معصومیت ناتجربہ کاری نے اسے بہت ہی دلکش اور حسین بنا دیا ہے۔فراقؔ نے زندگی کے تبدیل ہوتے ہوئے رویوں کو نظر انداز کرنے کی کوشش نہیں کہ بلکہ اُس کی بناء پر انھوں نے اپنی غزلوں میں روایت اور جدّت کا خوبصورت امتزاج پیش کیا۔غزلوں میں انھوں نے پُر کیف اور مدھم لہجے میں بات کہنے کی کوشش کی ہے، جو دل کو چھو جاتی ہے۔چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

ایک مدّت سے تری یاد بھی آئی نہ ہمیں
اور ہم بھول گئے ہوں تجھے ایسا بھی نہیں

بہت پہلے سے ان قدموں کی آہٹ جان لیتے ہیں
تجھے اے زندگی ہم دور سے پہچان لیتے ہیں

موت کا بھی علاج ہو شاید
زندگی کا کوئی علاج نہیں

تم مخاطب بھی ہو قریب بھی ہو
تم کو دیکھیں کہ تم سے بات کریں

خیال گیسوئے جاناں کی وُسعتیں مت پوچھ
کہ جیسے پھلتا جاتا ہو شام کا سایہ

اب تو اُن کی یاد بھی آتی نہیں
کتنی تنہا ہو گئیں تنہائیاں

جو اُن معصوم آنکھوں نے دیے تھے
وہ دھوکے آج تک میں کھا رہا ہوں

زندگی کیا ہے آج اسے اے دوست
سوچ لیں اور اُداس ہو جائیں

یہ مانا زندگی ہے چار دن کی
بہت ہوتے ہیں یارو! چار دن بھی

میں مدّتوں جیا ہوں کسی دوست کے بغیر
اب تم بھی ساتھ چھوڑنے کو کہہ رہے ہو خیر

طبیعت اپنی گھبراتی ہے جب سنسان راتوں میں
ہم ایسے میں تری یادوں کی چادر تان لیتے ہیں

ترے پہلو میں کیوں ہوتا ہے محسوس
کہ تجھ سے دور ہوتا جا رہا ہوں

تم اسے شکوہ سمجھ کر کس لیے شرما گئے
مُدّتوں کے بعد دیکھا تھا تو آنسو آ گئے

سر میں سودا بھی نہیں دل میں تمنا بھی نہیں
لیکن اس ترکِ محبت کا بھروسا بھی نہیں

تو یاد آیا ترے جور و ستم لیکن نہ یاد آئے
محبت میں یہ معصومی بڑی مشکل سے آتی ہے

جو اُلجھی تھی کبھی آدم کے ہاتھوں
وہ گتھی آج تک سُلجھا رہا ہوں

ماضی کے سمندر میں اکثر یادوں کے جزیرے ملتے ہیں
پھر آؤ وہیں لنگر ڈالیں پھر آؤ انھیں آباد کریں

کہاں کا وصل تنہائی نے شاید بھیس بدلا ہے
ترے دم بھر کے مِل جانے کو ہم بھی کیا سمجھتے ہیں

اس دور میں زندگی بشر کی
بیمار کی رات ہو گئی ہے

میں آسمانِ محبت سے رُخصتِ شب ہوں
ترا خیال کوئی ڈوبتا ستارہ ہے

فضا تبسّمِ صبحِ بہار تھی لیکن
پہنچ کے منزلِ جاناں پہ آنکھ بھر آئی

مہربانی کو محبت نہیں کہتے اے دوست
آہ اب مجھ سے تری رنجشِ بے جا بھی نہیں

چپکے چپکے اُٹھ رہا ہے مدھ بھرے سینوں میں درد
دھیمے دھیمے چل رہی ہیں عشق کی پُروائیاں

تو ایک تھا مرے اشعار میں ہزار ہوا
اس اک چراغ سے کتنے چراغ جل اُٹھے

اک فسوں ساماں نگاہِ آشنا کی دیر تھی
اس بھری دنیا میں ہم تنہا نظر آنے لگے

اس پُرسشِ کرم پہ تو آنسو نکل پڑے
کیا تو وہی خلوصِ سراپا ہے آج بھی

محبت ہی نہیں جس میں وہ کیا درسِ عمل دے گا
محبت ترک کر دینا بھی عاشق ہی کو آتا ہے

آج بھی قافلۂ عشق رواں ہے کہ جو تھا
وہی میل اور وہی سنگ نشاں ہے کہ جو تھا

لاکھ کر جور و ستم لاکھ کر احسان و کرم
تجھ پہ اے دوست وہی وہم و گماں کہ جو تھا

عجب کیا کچھ دنوں کے بعد یہ دنیا بھی دنیا ہو
یہ کیا کم ہے محبت کو محبت کر دیا ہم نے

فراقؔ کی غزلوں نے اردو غزل کو بہت متاثر کیا۔ وہ ایک منفرد لب ولہجہ کے ساتھ غزل کی دُنیا میں داخل ہوئے۔ فراقؔ نے اپنی غزلوں میں حُسن و عشق بھی اور فلسفۂ حیات پر مبنی افکارِ پریشاں بھی، انقلابی نُقطۂ نظر کا اظہار بھی اور طبقاتی کشمکش کی تصویر کشی بھی اور مارکسی نظریۂ حیات کو بھی موضوع بنایا ہے۔ فراقؔ کے یہ چند اشعار اسی نقطۂ نظر کی عکّاسی کرتے ہیں

کوئی سمجھے تو ایک بات کہوں
عشق توفیق ہے گناہ نہیں

ہم سے کیا ہو سکا محبت میں
خیر تم نے تو بے وفائی کی

تیرے آنے کی کیا امید مگر
کیسے کہہ دوں کہ انتظار نہیں

کم سے کم موت سے ایسی مجھے امید نہیں
زندگی تو نے تو دھوکے پہ دیا ہے دھوکہ

رات بھی نیند بھی کہانی بھی
ہائے کیا چیز ہے جوانی بھی

ذرا وصال کے بعد آئینہ تو دیکھ اے دوست
ترے جمال کی دوشیزگی نکھر آئی

ترا وصال بڑی چیز ہے مگر اے دوست
وصال کو مری دُنیائے آرزو نہ بنا

لہو وطن کے شہیدوں کا رنگ لایا ہے
اُچھل رہا ہے زمانے میں نامِ آزادی

دیکھ رفتارِ انقلاب فراقؔ
کتنی آہستہ اور کتنی تیز

اب یادِ رفتگاں کی بھی ہمّت نہیں رہی
یاروں نے کتنی دور بسائی ہیں بستیاں

اسی کھنڈر میں کہیں کچھ دیے ہیں ٹوٹے ہوئے
انھیں سے کام چلاؤ بڑی اُداس ہے رات

مذہب کی خرابی ہے نہ اخلاق کی پستی
دُنیا کے مصائب کا سبب اور ہی کچھ ہے

اگر بدل نہ دیا آدمی نے دُنیا کو
تو جان لو کہ یہاں آدمی کی خیر نہیں

آج آغوش میں تھا اور کوئی
دیر تک ہم تجھے نہ بھول سکے

فراقؔ دوڑ گئی روح سی زمانے میں
کہاں کا درد بھرا تھا مرے فسانے میں

ترا فراقؔ تو اُس دن ترا فراق ہوا
جب اُن سے پیار کیا میں نے جن سے پیار نہیں

کہو تو عرض کریں مان لو تو کیا کہنا
تمھارے پاس ہم آئے ہیں اک ضرورت سے

بخشیں چھڑی ہوئی ہیں حیات ومات کی
سو بات بن گئی ہے فراقؔ ایک بات کی

جن کی تعمیر عشق کرتا ہے
کون رہتا ہے اُن مکانوں میں

کمی نہ کی ترے وحشی نے خاک اُڑانے میں
جُنوں کا نام اُچھلتا رہا زمانے میں

اس دور میں زندگی بشر کی
بیمار کی رات ہو گئی ہے

قفس والوں کی بھی کیا زندگی ہے
چمن دور آشیاں دور آسماں دور

بے خودی میں اک خلش سی بھی نہ ہو ایسا نہیں
تو نہ آئے یاد لیکن میں تُجھے بھولا نہیں

عنایت کی، کرم کی، لُطف کی آخر کوئی حد ہے
کوئی کرتا رہے گا چارۂ زخم جگر کب تک

سچ تو یہ ہے بڑے آرام سے ہوں
تیرے ہر لحظہ ستانے کی قسم

ابھی تو کچھ خلش سی ہو رہی ہے چند کانٹوں سے
اِنھیں تلووں میں اک دن جذب کرلوں گا بیاباں کو

کسی کی بزم طرب میں حیات بٹتی تھی
امیدواروں میں کل موت بھی نظر آئی

تارا ٹوٹا سب نے دیکھا یہ نہیں دیکھا ایک نے بھی
کس کی آنکھ سے آنسو ٹپکا کس کا سہارا ٹوٹ گیا

نہ ہوا حساس تو سارا جہاں ہے بے حس و مُردہ
گُدازِ دل ہو تو دُکھتی رگیں ملتی ہیں پتھر میں

مُدّتیں قید میں گزریں مگر اب تک صیّاد
ہم اسیرانِ قفس تازہ گرفتار سے ہیں

اپنے حدود سے نہ بڑھے عشق میں کوئی
جو ذرّہ جس جگہ ہے وہیں آفتاب ہے

سوز و درد مٹ گئے وہ زندگی بدل گئی
سوال عشق ہے ابھی یہ کیا کیا یہ کیا ہوا

حدیں حُسن و محبت کی ملا کر
قیامت پر قیامت ڈھا رہا ہوں

رفیقِ زندگی تھی اب انیسِ وقتِ آخر ہے
ترا اے موت! ہم یہ دوسرا احسان لیتے ہیں

پلٹ رہے ہیں غریب الوطن، پلٹنا تھا
وہ کوچہ روکشِ جنّت ہو گھر ہے گھر، پھر بھی

آدمیوں سے بھری ہے یہ بھری دنیا مگر
آدمی کو آدمی ہوتا نہیں ہے دستیاب

ادھر پچھلے سے اہلِ مال وزر پر رات بھاری ہے
ادھر بیداریٔ جمہور کا انداز بھی بدلا

ابھی کچھ اور ہو انسان کا لہو پانی
ابھی حیات کے چہرے پہ آب و تاب نہیں

عام خیال یہ ہے کہ فراقؔ نے اپنی ابتدائی زندگی میں کافی تکلیفیں اُٹھائیں، کم عُمری میں والد کا انتقال اور کچّی عمر ہی میں ان چاہی شادی جس کی اذیت کا ڈھنڈورا وہ ساری عمر پیٹتے رہے۔ جنسی نا آسودگی کی وجہ سے معاشقے کی وجہ کے متعلق فرائڈ نے کچھ یوں ذکر کیا ہے کہ جب انسان اذیتوں اور محرومیوں کا شکار ہوتا ہے تو عام طور پر دو رجحانات اس کے اندر پیدا ہوتے ہیں۔ ایک تو جنسیت دوسرے موت کی خواہش۔ فراقؔ کا ایک شعر ان تمام بیانات کو سچ ثابت کرتا ہے۔ فراقؔ کا ایک شعر ان تمام بیانات کو سچ ثابت کرتا ہے۔ فراقؔ فرماتے ہیں ؎

ذرا وصال کے بعد آئینہ کو دیکھ اے دوست
ترے جمال کی دو شیزگی نکھر آئی

فراقؔ کا یہ شعر اردو ادب کے جمالیاتی احساس سے پُر مانا جاتا ہے۔ اسی جمالیاتی احساس سے لبریز وہ شعر بھی قابلِ ذکر ہے، جس میں فراقؔ اپنے محبوب کو مخاطب کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ ؎

ترا وصال بڑی چیز ہے مگر اے دوست
وصال کو مری دنیائے آرزو نہ بنا

اسی جمالیاتی احساس کو آپ فراقؔ کی اُس غزل ؎ میں بھی محسوس کر سکتے ہیں جس میں وہ اپنے محبوب کے بدن کو نہارتے ہوئے اُس کی واہ واہی کرتے ہوئے نظر آتے

ہیں۔غزل کا کیا کہنا۔

آپ خود فیصلہ کیجئے کہ میں صحیح کہہ رہا ہوں یا غلط۔فراقؔ اپنے محبوب کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں، کہ ؎

رس میں ڈوبا ہوا لہراتا بدن کیا کہنا — کروٹیں لیتی ہوئی صُبحِ چمن کیا کہنا
مدبھری آنکھوں کی السائی نظر پچھلی رات — نیند میں ڈوبی ہوئی چندر کرن کیا کہنا
باغِ جنّت میں گھٹا جیسے برس کر کھل جائے — سوندھی سوندھی تری خوشبوئے بدن کیا کہنا
ٹھہری ٹھہری نگاہوں میں یہ وحشت کی کرن — چونکے چونکے سے یہ آہوئے ختن کیا کہنا
جیسے لہرائے کوئی شعلہ کمر کی یہ لچک — سر بسر آتشِ سیّال بدن کیا کہنا
جلوہ و پردہ کا یہ رنگ دم نظارہ — جس طرح ادھ کھلے گھونگھٹ میں دُلہن کیا کہنا
دل کے آئینے میں اس طرح اُترتی ہے نگاہ — جیسے پانی میں لچک جائے کرن کیا کہنا
لہلہاتا ہوا یہ قد یہ لہکتا جو بن — زُلف سو مہکی ہوئی راتوں کا بن کیا کہنا
یہ نگاہوں کی کھنک، تیغ ادا کی جھنکار — حُسن سرتابہ قدم بولتا رن کیا کہنا
تو محبت کا ستارا، تو جوانی کا سُہاگ — حُسن لو دیتا ہو لعلِ یمن کیا کہنا
تیری آواز سویرا تری باتیں تڑکا — آنکھیں کھُل جاتی ہیں، اعجازِ سُخن کیا کہنا
نیلگوں شبنمی کپڑوں میں بدن کی یہ جوت — جیسے چھنتی ہو ستاروں کی کرن کیا کہنا
میرے ہاتھوں چڑھے پروان تو اے پریم کی بیل — پورے جوبن پہ ہے جیسے مرا فن کیا کہنا

(غزل- از فراق گورکھپوری ماخوذ از شاعرِ ہند رگھو پتی سہائے فراق گورکھپوری، پیشکش-علی صدیقی، مرتبہ- فاروق ارگلی صفحہ نمبر ۲۲۶ طباعت- پرنٹ آرٹس، نئی دہلی، سنِ اشاعت- فراقؔ صدی تقریبات ۹۷-۱۹۹۶ء، شائع کردہ- عالمی اردو کانفرنس، شعبہ نشر و اشاعت، نئی دہلی)

تلذذ اور جنسی خواہش ایک فطری عمل ضرور ہے لیکن اس کی شدّت اور جنون حیوانیت کے راستے پر لے جاتی ہے۔فراقؔ نے اس احساس کے شدید ہونے کے بارے میں خود ہی اپنی کتاب ''اردو کی عشقیہ شاعری'' میں لکھا ہے، کہ ؎

''عشق ایک شدید ترین احساس کا نام ہے۔ بنیادی طور پر یا مرکزی طور پر تو اس کا مخزن یا تعلق جنسیات یا شہوانیات میں ملے گا اور یہاں سے اُبھر کر جذبات اور نفسیات کو اپنی لپیٹ میں لیتا ہوا تمام قوائے انسانی اور تمام شخصیت میں یہ احساس یا یہ غیبی تحریک بھر جاتی ہے۔ اور شش جہت سے انسان پر چھا جاتی ہے۔ بات تو صرف اتنی ہے جو حالؔی نے کہی بھی ہے ؎

عشق کہتے ہیں جسے سب وہ یہی ہے شاید خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا

جب یہ حال ہے اور یہ بات ہے تو اس میں رزم اور بزم قصہ کہانی اور رنگا رنگ نوعیتوں کی جاسوسی افسانوں کی طرح نئے نئے واردات اور سانحات کی یا سیر و سیاحت کی داستانوں کی طرح نئے نئے مناظر نئے نئے واقعات اور حیرت انگیز خبروں کی گنجائش عشق کے افسانوں میں کہاں، تنوع سے لبریز خارجیت کا موقع عشق و حسن کے افسانوں میں کہاں۔ بات تو وہی ہے کہ میں تمھیں چاہتا ہوں اور اسی ایک بات کی سو بات بن جاتی ہے۔ بقول حالؔی ؎

نیا ہے لیجئے جب نام اُس کا بڑی وُسعت ہے میری داستاں میں

اس میں شک نہیں کہ محبت کی شدت خاص کر آغازی شدّت میں اور محبت کے تیز دکھ میں عاشق کے لیے پھیلی ہوئی کائنات و حیات ایک بے معنی بلکہ تکلیف دہ حد تک بے معنی چیز نظر آتی ہے۔ نفسیات جنسیات کی یہ کیفیت حیات و شعور میں ایک سُکڑن پیدا کر دیتی ہے۔ زندگی جنسیت کے مرکز پر سمٹ آتی ہے۔ چشمِ تنگ کثرتِ نظارہ کی تاب کھو بیٹھتی اور وا ہونے سے انکار کر دیتی ہے۔ یہ گلا گھونٹ دینے والی کیفیت عاشق کی شخصیت کے لئے مہلک حد تک ضرر رساں ہو سکتی ہے۔ اُسے مٹا کر رکھ دیتی ہے اگر اس حالت سے عاشق و معشوق کی مدد یا تعاون کے بغیر وقت کے سہارے سنبھل گیا تو وہ بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ اگر چہ اس توفیق کے لئے مدّتوں موت سے دو چار رہنا پڑتا ہے۔''۸؎

(اردو کی عشقیہ شاعری از فراقؔ گورکھپوری، صفحہ نمبر ۱۱ تا صفحہ نمبر ۱۲ سنِ اشاعت - بارِ اوّل ۱۹۶۶ء مطبع جاوید پریس، کراچی ناشر مکتبۂ عزم و عمل، کراچی)

فراقؔ نے اپنی غزلیہ شاعری میں عشقیہ مضامین کے علاوہ فلسفہ، جنسیات، امرو

پرستی، عورت مرد کے تعلقات کو پُر جوش اور بڑی ہوشیاری سے ادا کیا ہے۔ جس کا ذکر خود فراقؔ گورکھپوری نے اپنی مشہور و مقبول کتاب ''اردو کی عشقیہ شاعری'' میں اس طرح کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ؎

''میں نے امرد پرستی یا اپنے ہم جنسوں سے جنسی محبت کے معمّے پر بھی ایک عُمر تک غور کیا ہے اور میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں جس پر اڈورڈ کارپنٹر (Edward Carpenter) بھی اپنی کتاب محبت کا بلوغ (Love's Coming of Age) میں پہنچا ہے یعنی بہت بڑی حد تک امرد پرستی یا ہم جنسوں سے جنسی محبت ایک بغاوت ہے، اُس ماحول کے خلاف جس کے اثر سے عورت میں امردانہ صفات کی نشو ونما نہیں ہونے پاتی، جس کے کارن وہ مردوں کی ہم نفس و ہم خیال اور جیون ساتھی صحیح معنوں میں نہیں بن سکتی۔ اسی طرح ایک عورت کا دوسری عورت پر جنسی جذبات کے ساتھ عاشق ہونا اُس معیار کی تلاش ہے جو مردوں میں صحیح اور مناسب نسائیت پیدا کرے گا۔ غیر امرد پر سانہ محبت یا مرد کا عورت سے اور عورت کا مرد سے عشق (محض رسمی ازدواج نہیں) اس حالت کے خلاف بغاوت ہے جس کے زیرِ اثر جنسیت دیر پا لطافت اور استعجاب و حیرت سے معرّا ہو کر رہ جاتی ہے۔ نئی تہذیب اور نئے سماج میں عشق بغاوت نہ ہو بلکہ بغاوت و غدّاری کے بدلے دو افراد میں زندہ تعلقات کا آئینہ دار ہوگا اور مستقبل کی عشقیہ شاعری اس آئینے کی جِلا سازی کرتی ہوئی نظر آئے گی۔ اس جلا سازی میں جو رکاوٹیں حائل ہیں، اُن کے خلاف رونا یا بغاوت کرنا اُس شاعری کا کام نہ ہوگا۔ مستقبل کی عشقیہ شاعری ایک لغوی چیز نہ ہوگی وہ ایک اثباتی قوت ہوگی۔ ایک تعمیری عمل اور وہ شاعری اس زمانے کے عشق کی طرح کھل کر سانس لے سکے گی۔ اُس کی آواز میں ایک لہک ہوگی اور ایک نئی اُمنگ۔'' ۹؎

(اردو کی عشقیہ شاعری از فراقؔ گورکھپوری صفحہ نمبر ۳۴ تا صفحہ نمبر ۳۵، سن اشاعت- بارِ اوّل ۱۹۶۶ء مطبع جاوید پریس کراچی، ناشر مکتبہ عزم و عمل، کراچی)۔

فراقؔ کی شاعری میں حسن و جمال اور ہجر و وصال کی کیفیت بڑی ہی نادر و نایاب، بڑی ہی نرالی، دلوں پر اثر کرنے والی، دل و دماغ کو جھنجھوڑ دینے والی اور روح کو تڑپا دینے والی ہے، جس کی جیتی جاگتی تصویر فراقؔ کے کلام میں جا بجا دیکھنے کو ملتی ہے۔ اس موضوع کے متعلق

فراقؔ کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

رفتہ رفتہ عشق مانوسِ جہاں ہوتا چلا
کوئی سمجھے تو ایک بات کہوں
امید و یاس، وفا و جفا، فراق و وصال
سر سے پا تک حُسن ہے سازِ نمو سازِ نمو
اے جسمِ نازنینِ نگارِ نظر نواز
دل میں یوں بیدار ہوتے ہیں خیالاتِ غزل
اپنی معصومیوں کے پردے میں
آنکھ جھپکی کہ ادھر ختم ہوا روزِ وصال
بہت دنوں میں محبت کو یہ ہوا معلوم
بہت حسین ہے دو شیزگی حُسن مگر
آج آغوش میں تھا اور کوئی
عشق پھر عشق ہے جس روپ میں جس بھیس میں ہو
کہاں کا وصل تنہائی نے شاید بھیس بدلا ہے
چپکے چپکے اٹھ رہا ہے مدبھرے سینوں میں درد
معلوم ہے محبت لیکن اُسی کے ہاتھوں
تجھ سے حجاب کیا مگر اے ہم نشیں نہ پوچھ
رہا ہے تو مرے پہلو میں اک زمانے تک
مجھے بھی یاد ہیں وہ شامِ ہجر کی حکایتیں
جمالِ یار میں شانِ خیالِ یار ہے آج
پرچھائیاں نشاط و الم کی ہیں درمیاں
دمِ وصال زہے نازکی حُسنِ بدن
رنج وراحت، وصل وفرقت، ہوش ووحشت کیا نہیں
وصال و ہجر کا ایسوں کے کچھ ٹھکانہ ہے

خود کو تیرے ہجر میں تنہا سمجھ بیٹھے تھے ہم
عشق توفیق ہے گناہ نہیں
مسائل عشق کے ان کے سوا کچھ اور بھی ہیں
آرہا ہے ایک کمسن پر دبے پاؤں شباب
صبحِ شب وصال تری ملگجاہٹیں
آنکھیں ملتے جس طرح اُٹھے کوئی مستِ شباب
ہو گئی وہ نظر سیانی بھی
پھر بھی اس دن پہ قیامت کا گماں ہے کہ جو تھا
جو تیرے ہجر میں گزری وہ رات رات ہوئی
اب آگئے ہو تو آؤ تمھیں خراب کریں
دیر تک ہم تجھے نہ بھول سکے
عشرتِ وصل بنے یا غمِ ہجراں ہو جائے
ترے دم بھر کے مل جانے کو ہم بھی کیا سمجھتے ہیں
دھیمے دھیمے چل رہی ہیں عشق کی پُروائیاں
اے جانِ عشق میں نے تیرا بُرا بھی چاہا
اُس درد ہجر کو جو شبِ غم اُٹھا نہیں
مرے لئے تو وہی عین ہجر کے دن تھے
وہ درد سا رُکا رُکا، وہ اشک سا تھما تھما
وصال و دید میں بھی رنگِ انتظار ہے آج
یعنی وصال و ہجر کا پردا ہے آج تک
کچھ اور بڑھتا چلا روپ کا کنوارا پن
کون کہتا ہے کہ رہنے کی جگہ دُنیا نہیں
کہ جا کے بھی جو نہ جائیں اور آ کے بھی نہ آئیں

اب دورِ آسماں ہے نہ دورِ حیات ہے اے دردِ ہجر تو ہی بتا کتنی رات ہے

فراقؔ کی غزلوں میں انفرادیت یہ ہے کہ انھوں نے اپنی غزلوں میں عشقیہ تجربوں اور عورت کے جسمانی کیفیات کو بالکل منفرد انداز میں پیش کیا ہے۔ فراقؔ کی شاعری میں حسن و جمال کی بے جا تعریف و توصیف نہیں کی گئی ہے اور نہ ہی اُن کے کلام میں عشق کی گریہ وزاری نظر آتی ہے، بلکہ اُن کے کلام میں داخلی کیفیات کا حسن اپنی دلکشی و رعنائی کے ساتھ اپنی بہاریں دکھاتا ہوا نظر آتا ہے۔

فراقؔ اپنے دور کے اہم غزل گو شعراء میں اس لیے بھی ممتاز ہیں کہ انھوں نے غزل میں حسن و عشق کے امکانات کو وسیع کیا اور اسے تمثّالیہ صنف کے طور پر قائم رکھنے کی کوشش کی اور کامیاب بھی رہے۔

مثال کے طور پر فراقؔ گورکھپوری کے یہ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

شام بھی تھی دُھواں دُھواں حُسن بھی تھا اُداس اُداس — دل کو کئی کہانیاں یاد سی آ کے رہ گئیں

یہ کیا کم ہے عشق کا حاصل — کچھ مجھ کو غم کچھ تجھ کو غم

عشق میں سچ ہی کا رونا ہے — جھوٹے نہیں تم جھوٹے نہیں ہم

ہے ازل سے جُستجو جس کی شعورِ عشق کو — اُس یقیں کے واسطے دھوکے بھی کھا سکتے ہیں ہم

کچھ جگایا تیرے غم نے کچھ مزاجِ عشق نے — آنکھ تھوڑی دیر فرقت میں لگا سکتے تھے ہم

حُسن کے کچھ اور ہی خواب و خیال — عشق کے کچھ اور ہی وہم و گماں

مقامِ عشق کا اندازہ بس اس بات سے کر لے — زمینِ دل کے ذرّے آسمانِ غم نکلتے ہیں

سینوں میں درد بھر دیا چھیڑ کے داستانِ حُسن — آج تو کام کر گئی، عشق کی عُمرِ رائیگاں

آزردگیٔ حُسن بھی کس درجہ شوخ ہے — اشکوں میں تیرتی ہوئی کچھ مُسکراہٹیں

تب کہیں کچھ پتہ چلا صدقِ خلوص حُسن کا — جب وہ نگاہیں عشق سے باتیں بنا کے رہ گئیں

سازِ نشاطِ زندگی آج لرز لرز اُٹھا — کس کی نگاہیں عشق کا دردسُنا کے رہ گئیں

حُسن سرتاپا تمنّا عشق سرتا سر غرور — اِس کا اندازہ نیاز و ناز سے ہوتا نہیں

سرحدِ جذب و اثر سے حُسنِ جاناں دور ہے — عشق میں دل درد ہو جاتا ہے دل دکھتا نہیں

فطرت حُسن تو معلوم ہے تجھ کو ہمدم — چارہ ہی کیا ہے بجُز صبر، سو ہوتا بھی نہیں

کریں گے حُسن کو کیا بس میں عقل کے بندے نظر میں جذب نہیں کچھ دلوں میں درد نہیں
مزاجِ عشق کو لازم ہے اب بدل جانا کہ کچھ دنوں سے تو سُنتے ہیں حُسن بھی ہے حزیں
خود اپنا فیصلہ بھی عشق میں کافی نہیں ہوتا اسے بھی کیسے کر گزریں جو دل میں ٹھان لیتے ہیں
حیاتِ عشق کا اک اک نفس جامِ شہادت ہے وہ جانِ ناز برداراں کوئی آسان لیتے ہیں
جس کی فرقت نے پلٹ دی عشق کی کایا فراقؔ آج اُس عیسیٰ نفس دمساز کی باتیں کرو

فراقؔ کی شاعری ایک وسیع دریا ہے کیوں کہ اس میں کئی فکری اور تہذیبی روایات دھاروں کی طرح کئی سمتوں سے آ کر ملتی ہیں۔ سنسکرت، ہندی، فارسی اور اردو ادب کے عمیق مطالعہ نے فراقؔ کو عربی و عجمی فکر اور تہذیب و تمدّن سے واقفیت دلائی۔ انگریزی مطالعہ نے ان پر مغربی فکر اور تہذیب و تمدّن کے دروازے کو بھی کھولا۔

سنسکرت الفاظ کو اردو زبان میں شامل کرنے کے لیے اردو والوں کو ''اردو کی عشقیہ شاعری'' میں فراقؔ گورکھپوری نے یہ مشورہ بھی دیا بہت ہی خلوص و محبت اور عاجزی و انکساری کے ساتھ کہ ''اردو زبان ہندو مسلمانوں کی مشترکہ زبان ضرور ہے، لیکن اردو ادب اُس وقت صحیح معنوں میں ہندو مسلمانوں کا مشترکہ ادب ہوگا جب اردو لغت اور اردو ادب میں کافی تعداد سنسکرت کے فقروں اور ٹکڑوں بلکہ کبھی کبھی سنسکرت ترکیبوں کی بھی سلیقے سے جوڑی جائے ''غیر مانوس'' ''غیر مانوس'' کا ہنگامہ اُٹھانا بھاری غلطی ہوگی اور بڑی بھاری بدنصیبی۔ سنسکرت الفاظ میں ایک مخصوص زندگی ہے اور ہندوستان کی روح ان الفاظ میں جاری و ساری ہے۔ سنسکرت کے ہزاروں ایسے الفاظ ہیں، جو اصلی روپ میں اگر اردو میں فارسی، عربی اور ہندی کے ٹھیٹھ الفاظ کے ساتھ شامل کر لئے جائیں تو اُردو زبان کی صوتیات میں نئی نئی تھرتھراہٹیں پیدا ہو جائیں گی۔ اردو کے ساز نغمہ میں نئے پردے لگ جائیں گے۔ اگر اب سے کچھ دنوں کے اندر اردو کے ایسے دو چار مسلمان شاعر بھی نکل آتے۔ مسلمان اس لیے کہا کہ فی زمانہ اردو کے ہندو شاعر بہت کم ہیں اور سنسکرت الفاظ بھی عربی و فارسی الفاظ کے ساتھ اردو نثر و نظم میں سلیقے سے جڑ دئے گئے تو تمام ہندی دنیا اور ہندو دنیا اردو کی طرف ٹوٹ پڑے گی اور اردو کو کلیجے سے لگا لے گی جو میرؔ، غالبؔ، انیسؔ، داغؔ، جوشؔ، اقبالؔ کے اسالیب بیان پر پوری پوری قدرت رکھتے ہوئے ہزار بارہ سو سریلے اور مترنّم سنسکرت الفاظ بھی اپنی شاعری میں بکھیر

دیتے تو اردو میں نئی الاپیں اور نئی جگمگاہٹیں پیدا ہو جائیں اور اردو ہندی کی جنگِ زرگری بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتی۔ سوچیے تو ہماری اردو زبان میں کتنی وسعتیں اور کتنے بڑے امکانات پیدا ہو جائیں گے۔ اگر اُردو لغت میں دو ڈھائی ہزار سنسکرت الفاظ کا بھی اضافہ ہو جائے۔ کتنی قوت اور دور رسی، کتنی تہیں، کتنی جھلکیاں اور پرچھائیاں، کتنا رس، کتنا سگندھ، کتنا رچاؤ، کتنا سُگھڑ پن، کتنی نئی گونجیں، کتنی خوش تدبیری، کتنا تموج اور ٹھہراؤ، کتنی لوچ اور لچک اردو میں پیدا ہو جائے گی۔ اگر سنسکرت کے ہزار ہا الفاظ ایسے ہیں کہ اگرچہ ان کے فارسی و عربی مرادف بھی ہیں لیکن کچھ ایسی قدریں کچھ ایسے رس اور جس سنسکرت الفاظ میں ہیں جو اُن کے فارسی و عربی ترجموں میں اس حد تک نہیں ملیں گے۔ سنسکرت الفاظ میں ہندوستان کی سُہانی اور پاک فضا رسی اور بسی ہوئی ہے۔ ان الفاظ پر قدرت حاصل کرنے کے لیے سنسکرت کتابیں سے سنسکرت کے قواعد و ادبیات جاننے کی مطلق ضرورت نہیں، کوئی ہندی لغت یا ہندی شبد ساگر کا چھوٹا سا (abriged) ایڈیشن لے لیا جائے اور اس میں سے خوبصورت سنسکرت الفاظ چھانٹ لیے جائیں اور وہ الفاظ تو خاص طور سے چن لیے جائیں جن کے عربی و فارسی ترجمے ہو نہیں سکتے۔ تب صحیح معنوں میں اور نہایت اہم معنوں میں اردو صرف ہندو و مسلمانوں کی مشترکہ کاروباری زبان ہی نہ ہوگی بلکہ ہندو کلچر اور مسلم کلچر کا سنگم بن جائے گی۔'' ۱۰؎

(اردو کی عشقیہ شاعری از فراق گورکھپوری صفحہ نمبر ۱۲۷ تا ۱۳۰ سن اشاعت۔ بار اوّل ۱۹۶۶ء مطبع جاوید پریس کراچی، ناشر مکتبہ عزم و عمل، کراچی)

فراق کی عشقیہ شاعری کا مُحرّک عشق کے ساتھ ادراک بھی ہے، جو اُنھیں تہذیبی و ثقافتی وجدان عطا کرتا ہے۔ جس کی گواہی اُن کے وہ اشعار دے رہے ہیں۔ جن میں ویدک تہذیب و ثقافت کی پُرنور تجلیاں موجود ہیں، چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

ہر لیا ہے کسی نے سیتا کو زندگی ہے کہ رام کا بن باس

شِو کا وِش پان تو سُنا ہوگا میں بھی اے دوست پی گیا آنسو

وہ راتوں رات شری کرشن کو اُٹھائے ہوئے بلا کی قید سے بسدیو کا نِکل جانا

مُشردۂ کوثر و تسنیم دیا اوروں کو شُکر صد شُکر غمِ گنگ و جمن مُجھ کو دیا

فراق کی غزلوں کا رنگ و آہنگ بڑے شعراء مثلاً ولی دکنی، خواجہ میر درد دہلوی، ناسخ و

آتش، میرؔ و غالبؔ اور انیسؔ و اقبالؔ کی طرح بلند و بالا نہیں ہو سکا لیکن یہ شعر فراقؔ کی عظمت پر ہمیشہ گواہی ضرور دیتا رہے گا اور اُنکی شاعرانہ عظمت کی یاد بھی دلاتا رہے گا، جس کا اعتراف فراقؔ نے خود کیا ہے یہ کہہ کر کہ ؎

ولیؔ و میرؔ و غالبؔ سبھی چراغِ راہ تھے لیکن وہ نکلے اوّل اوّل آخر آخر ہم نکلتے ہیں

فراقؔ نے ایک ایسی روایت کا آغاز کیا جسے ہم بھولتے جا رہے تھے۔ وہ روایت جس کو غالبؔ نے اپنانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ اپنے اس نیک مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے، یہی وہ روایت تھی جسے اقبالؔ نے اپنے دوسرے اسلوب میں اپنانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ بھی اپنے اس عمل میں کامیابی حاصل نہیں کر پائے تھے۔ یہی وہ روایت تھی جسے فراقؔ نے پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔ انھیں خیالات کی ترجمانی ''اسلوبیات فراقؔ'' میں مولا بخش اسیرؔ کچھ اس طرح کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، کہ ؎

''غالبؔ کے بعد فراقؔ ہی وہ شاعر ہیں جن کی شاعری کے علاوہ تنقید، نثر، گفتگو، ظرافت مشہور ہوئی۔ ذہن اکثر غلطاں و پیچاں دیتا رہتا ہے کہ آیا اُن کی شاعری ہمیں اپنی طرف کھینچتی ہے یا فن کار یا اُن کی شخصیت کیوں کہ جب ہم بہ حیثیت شاعر فن کار فراقؔ کو دیکھتے ہیں تو پہلی نظر میں وہ محبت کے سیدھے سادے اظہار کے شاعر نظر آتے ہیں اور شخصیت غیر متوازن تضادات سے بھرپور۔ جب اُن کی شاعری کا مطالعہ تجزیاتی نقطۂ نظر سے کیا جاتا ہے تو اس بات کا انکشاف ہوتا ہے کہ فراقؔ سے ایک روایت کا آغاز ہوتا ہے وہ روایت جو ہم بھولتے جا رہے ہیں۔ وہ روایت جسے غالبؔ نے اپنانے کی کوشش کی تھی مگر کامیابی نہ ملی، وہ روایت جسے اقبالؔ نے دوسرے اسلوب میں اپنانے کی کوشش کی تھی۔ وہ روایت یہ تھی جسے فراقؔ نے پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔

فراقؔ شعر وہ پڑھنا اثر میں ڈوبے ہوئے کہ یاد میرؔ کے انداز کی دلا دینا

اب اندازِ میرؔ تو سمجھ میں آئے۔ شُکر ہے اندازِ میرؔ کی توضیح و تشریح ''اسلوبیات میرؔ'' میں کر دی گئی ہے۔ اندازِ میرؔ ہندوستانیت کا دوسرا نام ہے۔ ہندوستانیت صرف شاعری میں برگد کے پیڑ اور اجنتا ایلورا کی مورتیوں کے نشیب و فراز میں ہی نہیں ہندوستانی زبانوں کے اظہار میں بھی مُضمر ہے۔''[11] ؎

(اسلوبیات فراقؔ از مولا بخش اسیر صفحہ نمبر ۳۹ تا صفحہ نمبر ۴۰ فراقؔ اور نئی نسل مرتبہ پروفیسر امیر عارفی صدر شعبۂ اُردو دہلی یونیورسٹی، طابع -شیروانی آرٹ پرنٹرز دہلی، ناشر-ساقی بُک ڈپو، اردو بازار، دہلی طبع اول سنِ اشاعت ۱۹۹۷ء)

فراقؔ کی غزلوں میں جو حُسن و عشق اور ہجر و وصل کے تجربے پائے جاتے ہیں وہی اُن کی اصل پہچان بن گئے ہیں، جس کی بدولت اُن کو شاعرِ جمال اور امام تغزّل کے خطاب سے بھی نوازا گیا اور آج ہمارے پاس صرف اُن کا لکھا ہوا سرمایہ ہی موجود ہے لیکن یہ سرمایہ ہمیشہ فراقؔ کی یاد دلاتا رہے گا۔

بقول علی احمد فاطمی ؎

''فراقؔ کو شاعر جمال اور امام تغزّل اور نہ جانے کن کن خطابات سے نوازا گیا۔ حضرت نیاز فتحپوری سے لے کر خلیل الرحمٰن اعظمی اور شمیم حنفی جیسے جدید مزاج کے نقاد سب ان کی شاعری کے قائل ہیں لیکن سچ یہ ہے کہ ان میں شاید و باید ہی کسی نے فراقؔ کے شعری جمالیات عرق ریزی کی ہو اور اُسے تاریخی، تہذیبی، سماجی اور معاشرتی تناظر میں دیکھنے کی کوشش کی ہو۔ اُس کے پس پردہ اُردو تنقید کی محرومیاں تو ہیں ہی ساتھ ہی فراقؔ کی کھٹّی میٹھی کہانیاں بھی کام کرتی نظر آتی ہیں کہ اپنے عشق و محبت کے طوطے مینا خوب گڑھا کرتے تھے۔ لیکن آج فراقؔ ہم میں موجود نہیں ہیں۔ ان کے ساتھ ان کی نام نہاد کہانیاں بھی دفن ہو چکی ہیں۔ آج ہمارے پاس صرف اُن کا سرمایۂ ادب ہے۔ گذشتہ بارہ تیرہ برس میں فراقؔ کو نئے سرے سے سمجھنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے اور مجھے یقین ہے کہ گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ فراقؔ کی اصل پہچان اور ان کی شاعری کا صحیح عرفان ضرور حاصل کیا جائے گا اور وہ اسباب تلاش کیے جائیں گے جس کی وجہ سے وہ ایک شاعر نہیں، دبستان بن گئے۔ پوری ایک نسل ان کے سائے میں پروان چڑھی اور حُسن و عشق کے تعلق سے ایک نئی بحث بھی چل پڑی اور جیسا کہ ہوتا ہے۔ فراقؔ جیسی عہد آفریں شخصیت کی مخالفت بھی ہوئی اور آج بھی ہو رہی ہے لیکن یہ مُخالفت، یہ تنازعہ بھی ان کی عظمت کا ہی ایک حصّہ ہے اور ایک اعتراف یا پھر اپنا قد بلند کرنے کی ایک ناکام کوشش۔ احمد فرازؔ نے کہا تھا ؎

یارو مجھے مصلوب کرو تم کہ مرے بعد شاید کہ تمھارا قد و قامت نکل آئے''۱۲؎

(فراقؔ کا تصوّرِ عشق از علی احمد فاطمی، صفحہ نمبر ۱۳۹ تا صفحہ نمبر ۱۴۰، فراقؔ: دیارِ شب کا مُسافر، مُرتّبین-شمیم حنفی، سُہیل احمد فاروقی، طباعت-لبرٹی آرٹ پریس، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی، سنِ اشاعت-پہلی بار دسمبر ۱۹۹۶ء)

مختصر طور پر ہم یہ بات ضرور کہہ سکتے ہیں، کہ فراقؔ گورکھپوری بیسویں صدی کے ایک اہم غزل گو شاعر ہیں، جنھوں نے ترقی پسندوں کی غزل مخالف رویّے کے باوجود غزل کو گلے سے لگائے رکھا، اپنے دل میں بسائے رکھا، اپنی پلکوں پر بٹھائے رکھا، اپنی آنکھوں میں چھپائے رکھا، اپنے سینے سے ایک ماں کی طرح چپکائے رکھا اور اس کی مقبولیت وحسن میں کسی بھی طرح کی کوئی بھی کمی نہیں واقع ہونے دی۔ فراقؔ کے ہاتھوں لگایا گیا غزل کا درخت آج بھی سرسبز وشاداب ہے اتنی آندھیاں آئیں اتنے طوفان آئے اور اتنے سیلاب آئے لیکن وہ درخت آج بھی اپنی جگہ پر اُسی طرح قائم ودائم ہے اور ہرا بھرا ہے۔ جس کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں سے سب فیض یاب ہو رہے ہیں کچھ مخالف لوگوں نے فراقؔ کے ہاتھوں لگائے گئے اس غزل کے درخت کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے کی کوششیں تو بہت کیں لیکن وہ اپنے اس گھنونے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

فراقؔ کل بھی کامیاب تھے آج بھی کامیاب ہیں اور ہمیشہ کامیاب رہیں گے اپنی شاعری کا لوہا منوانے میں۔ فراقؔ لوگوں کے دلوں میں کل بھی زندہ تھے آج بھی زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے جب تک یہ کائنات قائم ودائم ہے۔ فراقؔ کو دل سے نکالنا اتنا آسان کام نہیں ہے۔ فراقؔ اپنی طرزِ سُخن کے واحد شاعر تھے جنھوں نے اپنی ایک الگ راہ بنائی۔ جس کی بدولت وہ آج بھی منفرد لب ولہجہ کے شاعر کہلاتے ہیں اپنی آنے والی نسلوں کو فخریہ انداز میں مخاطب کرتے ہوئے فراقؔ فرماتے ہیں کہ ؎

آنے والی نسلیں تم پر فخر کریں گی ہم عصرو!
جب بھی اُن کو دھیان آئے گا تم نے فراقؔ کو دیکھا ہے

فراقؔ کو اپنے مرتبہ کا شدید احساس تھا، کہ وہ ایک بڑے شاعر ہیں اور سب شاعروں سے بالکل الگ، مزاج میں، اندازِ سُخن میں، اخلاق میں، تہذیب میں، شخصیت میں، شاعری میں، اور کردار وگفتار میں بھی۔ جس کی جھلک فراقؔ کے اُس شعر میں دیکھی جاسکتی ہے، جس میں وہ

یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ ؎

ختم ہے مجھ پہ غزل گوئے عہدِ حاضر دینے والے نے وہ اندازِ سُخن مجھ کو دیا

اور ہاں! اب بہت ہی دھیان سے سُنئے فراقؔ کا وہ شعر بھی جس میں وہ لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ ؎

ہر عقدۂ تقدیرِ جہاں کھول رہی ہے ہاں دھیان سے سُننا یہ صدی بول رہی ہے

حواشی

(۱) جدید غزل، از رشید احمد صدیقی، طابع مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ اشاعتِ دوم ۱۹۶۷ء، صفحہ نمبر ۸۷ تا صفحہ نمبر ۸۹۔

(۲) اردو شاعری کا تنقیدی مطالعہ از سنبل نگار صفحہ نمبر ۹۳ تا صفحہ نمبر ۹۴ سنِ اشاعت ۲۰۰۱ء، ایجوکیشنل بک ہاؤس، یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ۔

(۳) اردو کی عشقیہ شاعری از فراقؔ گورکھپوری صفحہ نمبر ۱۱۸ تا صفحہ نمبر ۱۱۹ مکتبہ عزم و عمل، کراچی، سن اشاعت - بارِ اوّل ۱۹۶۶ء مطبع - جاوید پریس کراچی۔

(۴) میری زندگی کی دھوپ چھاؤں از فراقؔ گورکھپوری صفحہ نمبر ۵۷ شاعرِ ہند فراقؔ گورکھپوری، پیشکش علی صدیقی، مرتبہ فاروق ارگلی، طباعت - پرنٹ آرٹس، نئی دہلی، سنِ اشاعت - فراقؔ صدی تقریبات ۹۷-۱۹۹۶ء شائع کردہ - عالمی اُردو کانفرنس، شعبۂ نشر و اشاعت، نئی دہلی۔

(۵) گلِ نغمہ از فراقؔ گورکھپوری صفحہ نمبر ۲۹ تا صفحہ نمبر ۳۱ گل نغمہ کلیاتِ فراقؔ کا صدی ایڈیشن، ترتیب و تصحیح، پروفیسر سید محمد عقیل ڈاکٹر فخر الکریم صدیقی، ناشر ادارۂ انیس اردو، الہ آباد سنِ اشاعت طبع پنجم ۱۹۹۷ء۔

(۶) فراقؔ کی شاعری میں عشق و وصل از صدّیق الرحمٰن قدوائی صفحہ نمبر ۸۱ تا صفحہ نمبر ۸۲، فراقؔ : دیارِ شب کا مسافر، مرتبین ۔ شمیم حنفی، سُہیل احمد فاروقی، طباعت - لبرٹی

آرٹ پریس مکتبہ جامعہ لمیٹڈ پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی، سنِ اشاعت – پہلی بار دسمبر ۱۹۹۶ء۔

(۷) غزل از فراق گورکھپوری ماخوذ از شاعرِ ہند رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری، پیشکش – علی صدیقی، مرتبہ – فاروق ارگلی صفحہ نمبر ۲۲۶ طباعت – پرنٹ آرٹس، نئی دہلی، سنِ اشاعت – فراق صدی تقریبات ۹۷-۱۹۹۶ء، شائع کردہ – عالمی اردو کانفرنس، شعبہ نشر و اشاعت، نئی دہلی۔

(۸) اردو کی عشقیہ شاعری از فراق گورکھپوری، صفحہ نمبر ۱۱ تا صفحہ نمبر ۱۲ سنِ اشاعت – بارِ اوّل ۱۹۶۶ء مطبع جاوید پریس، کراچی ناشر مکتبۂ عزم و عمل، کراچی۔

(۹) اردو کی عشقیہ شاعری از فراق گورکھپوری صفحہ نمبر ۳۴ تا صفحہ نمبر ۳۵، سن اشاعت – بارِ اوّل ۱۸۶۶ء مطبع جاوید پریس کراچی، ناشر مکتبہ عزم و عمل، کراچی۔

(۱۰) اردو کی عشقیہ شاعری از فراق گورکھپوری صفحہ نمبر ۱۲۷ تا ۱۳۰ سن اشاعت۔ بار اوّل ۱۹۶۶ء مطبع جاوید پریس کراچی، ناشر مکتبہ عزم و عمل، کراچی۔

(۱۱) اسلوبیات فراق از مولا بخش اسیر صفحہ نمبر ۳۹ تا صفحہ نمبر ۴۰ فراق اور نئی نسل مرتبہ پروفیسر امیر عارفی صدر شعبۂ اُردو دہلی یونیورسٹی، طابع – شیروانی آرٹ پرنٹرز دہلی، ناشر – ساقی بک ڈپو، اردو بازار، دہلی طبع اول سنِ اشاعت – ۱۹۹۷ء۔

(۱۲) فراق کا تصوّرِ عشق از علی احمد فاطمی، صفحہ نمبر ۱۳۹ تا صفحہ نمبر ۱۴۰، فراق: دیارِ شب کا مُسافر، مُرتّبین – شمیم حنفی، سُہیل احمد فاروقی، طباعت – لبرٹی آرٹ پریس، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی، سنِ اشاعت – پہلی بار دسمبر ۱۹۹۶ء۔

☆☆☆